ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.6, Issue.3 (2023)
(July-September)

لکھنوی شاعری میں مسلم ہند کے زوال کا عکس

ڈاکٹر عظمیٰ حسن
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

Abstract:
The name of the human sphere of thought and action is civilization. This circle has grown and changed with time and circumstances. Because of this, Lakant remains true to its origin and its close connection with its center and soul guarantees the life of civilization. The level of this relationship is realized by those intelligent people who are familiar with the spirit of civilization. As long as this relationship remains strong, internal or external influences, however significant they may be in the form of changes, give continuity and expansion to civilization. On the contrary, when this relationship weakens, cultural values begin to suffocate long before cultural phenomena change, and civilization is "protected" in cultural museums and ihrams.

انسانی دائرہ فکر و عمل کا نام تہذیب ہے۔ یہ دائرہ وقت اور حالات کے ساتھ گفتار بڑھتا، بدلتا رہتا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد اپنی اصل پر قائم رہتی ہے اپنے مرکز اور روح سے اس کا یہی تعلق تہذیب کی زندگی کا ضامن ہوتا ہے۔ اس تعلق کی سطح کا ادراک ان باشعور افراد کو ہوتا ہے جو تہذیب کی روح سے آشنا ہوتے ہیں جب تک یہ تعلق مضبوط رہتا ہے اندرونی یا بیرونی اثرات خواہ وہ کتنی ہی نمایاں تبدیلیوں کی صورت میں ہوں، تہذیب کو دوام اور وسعت عطا کرتے ہیں اس کے برعکس جب یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے تو تہذیبی مظاہر کے بدلنے سے بہت پہلے تہذیبی قدریں دم توڑنے لگتی ہیں اور تہذیب ثقافتی عجائب خانوں اور احراموں میں ''محفوظ'' کر دی جاتی ہے۔

یہ ہندوستان کی جدید تاریخ کا سب سے انقلاب انگیز دور تھا، ایک ایسا انقلاب جو سیاسی سطح پر شروع ہوا لیکن اس نے ہندوستان کے مذہب و معاشرت، حکومت، معیشت، علوم و فنون، زبان و بیان فرض ہر شے کو الٹ کر رکھ دیا۔ اسلوبِ فکر و زاویۂ نظر بدل گئے۔ معیار کے پیمانوں کی تبدیلی نے تہذیبی اقدار کو بھی پرانے سکوں کی طرح بے مول کر دیا اس دور کا سب سے اہم واقعہ 1857ء کی جنگ آزادی ہے جسے انگریز اور ان کے حامیوں نے ''غدر'' کا نام دیا۔

لیکن بقول شاعر:

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا(1)

جب کوئی بڑا سیاسی انقلاب رونما ہوتا ہے تو اپنے استحکام کے لیے تہذیبی قوتوں کو بھی بروئے کار لاتا ہے۔ اگر انقلاب اس نوعیت کا ہے کہ موجودہ تہذیب ہی کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے تو چند انتظامی تبدیلیوں کے علاوہ کوئی اور تغیر رونما نہ ہو گا مثالی برصغیر کے مسلم دور حکومت میں کئی خاندان والی تاج و تخت ہوئے لیکن تہذیبی ڈھانچے پر بہت کم اثر پڑا ہتی کہ مغلوں کے سیاسی انتشار نے بھی صوبوں کو خود مختار بنا دیا لیکن تہذیبی وحدت میں فرق نہیں پڑا۔ یہ صوبے سیاسی طور پر خود مختار لیکن تہذیبی طور پر مرکز ہی سے وابستہ رہے لیکن وہ سیاسی انقلاب جس نے نہریں اور بیسویں صدی کے وسط تک برصغیر کو مصروف و متغیر رکھا، نوعیت میں اس سے مختلف تھا جس کا ہندو اور مضانوں کو اب تک تجربہ تھا۔(2)

اس انقلاب نے تہذیبی بنیادوں کو متزلزل اور اقدار کو مخلوک کر دیا۔ لہٰذا اس کے بعد اس خطہ کے جو تہذی نقوش ابھرے بعد حسرت تعمیر اور تشکیل جدید کے قریب قریب معلوم ہوتے ہیں۔ اس صدمہ کے اثر سے برصغیر کی تہذیب آج تک نہ نکل سکی۔ جو سکون اور رچاؤ اس میں تمام کمزوریوں کے

باوجود ۱۸۵۶ء سے پہلے موجود تھا،اس کی تلافی نہ ہو سکی۔اس انقلاب کا مثبت پہلو یا حیات کا منشاء کیئے، یہ تھا کہ اس نے تہذیبی شعور میں اضافہ کیا اور زندگی کے ہر پہلو پر غور وفکر، مطالعہ ،مشاہدہ، تجربہ کی روشنی میں کانٹ چھانٹ اور اصلاح کی باقاعدہ کوششیں کیں۔

انگریزوں نے برصغیر میں کسی حکمران کی طرح کسی سپہ سالار کی طرح قدم نہیں رکھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ہندوستان میں وارد ہونے والے دراصل وہ لوگ تھے جو تاج برطانیہ میں خس وخاشاک کی بھی حیثیت ن رکھتے تھے۔قسمت آزمانے کو ہندوستان آئے اور ہندوستان کی بدقسمتی نے ان کو خوش آمدید کہا۔اس کمپنی میں کسی قسم کے لوگ شامل تھے اس کا اندازہ خود کمپنی کے ریزولیشن کے ایک اقتباس سے ہو سکتا ہے جو اس نے اپنی حکومت کو تجارت کی اجازت حاصل کرنے اور لوگ بھرتی کرنے کے لیے بھیجی تھی:

''کسی ذمہ داری کے کام پر کی جنٹلمین کو نہ پر کھا جائے اور گورنمنٹ سے درخواست کی جائے کہ ہمیں اپنے کاروبار کے لیے اپنے ہی قسم کے لوگوں کا انتخاب کرنے کی اجازت دی جائے۔''(3)

اس بیان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کسی قسم کے لوگ تھے۔مزید برآن ان میں قمار بازی، شراب نوشی،نفس پرستی، لڑائی جھگڑے جیسی خصوصیات کے ساتھ ساتھ مقامی اثرات کے زیر اثر نوابی کا چسکہ بھی جا چا تھا۔ بڑھتی ہوئی دولت اور اثر ورسوخ نے ان کو ہندوستان پر حکمرانی کا خواب دکھایا۔ مقامی حکمرانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اور سیاسی چالوں کے ذریعہ کمپنی اپنے اقتدار کو مضبوط اور مقبوضات کو وسیع کرتی رہی یہاں تک کہ ہندوستان پر براہ راست ملکہ برطانیہ کا تسلیم قائم ہو گیا۔اس دوران انگریزوں نے مختلف ریاستوں کو آپس میں لڑانے اور کسی ایک کی مدد کے بہانے ہندوستان کی معاشرتی اور اقتصادی صورتحال کو ناقابل تلافی نقصان کا چھایا۔وعدہ خلافی اور ظالمانہ قوانین بالخصوص الحاق کے ذریعہ ریاستوں کو ضبط کر کے برطانوی ہند میں شامل کیا جاتا رہا۔

ان ریاستوں کے الحاق اور انگریزی حکومت کی نگرانی برصغیر کی تہذیبی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی اور یاستیں تھیں جنھوں نے مرکز کے کمزور ہو جانے کے بعد مشرقی تہذیب کی حفاظت کا فریضہ اور اس لاریب کے دلدادہ لوگوں اور ہنر کار وشن نجوں کی پرورش کا بیڑہ اٹھایا۔۔ان ریاستوں نے اس تیزی سے کمزور ہوتی ہوئی تہذیب کو نہ صرف زندہ کیا بلکہ اس کے دائرہ اثر کو بڑھایا تھا۔ فارسی زبان وادب کا پرچم ہندومسلم دونوں بلند کیے رہے۔رسم ورواج، رہن سہن غرض ہر چیز میں اس ہندومسلم کلچر کا اتباع کیا جاتا تھا۔ریاستوں کی کمزوری نے اس تہذیب کے خطوط کو دھندلا کر نا شروع کر دیا۔

ریاستوں کے الحاق کے علاوہ جاگیروں کی ضبطی، تعلقہ داری کے خاتمہ اور نیلام وغیرہ نے بھی اردوستان کی دعایا بالخصوص مسلمانوں کو معاشی طور پر بدحال کر دیا۔ تعلیمی سلسلہ میں بھی ایسے فیصلے کیے گئے جو مقامی آبادی کے خلاف تھے البتہ سستے ملازم حاصل کرنے کے لیے مخصوص طرز کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا تاکہ امور سلطنت کی انجام دہی کے لیے موزوں ہندوستانی مل سکیں۔(4)۔ایسے ادارے قائم کیے گئے جو مقامی زبانوں اور علوم وفنون پر تحقیق کریں۔

''مغرب کی اس تعلیم کے پیالے بڑی مقدار میں دیسیوں کو پلائے گئے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک انوکھا جدید فرقہ ملک میں پیدا ہو گیا جو بابو یا انگریزی یافتہ کے لقب سے مشہور ہے.... بابو ایک عجیب برزخ ہے اس کی دماغی واخلاقی حالت عجیب قسم کی ہے.....اس کے قول وفعل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا بالکل ان کا ذمہ دار نہیں۔ وہ اپنی مادری زبان پر چنداں توجہ نہیں کرتا اور اکرتا اور اپنے لٹریچر، فلسفہ، مذہب کو ناقص طور پر جاتا ہے...اس میں اخلاقی پاکیزگی کے متعلق لاپروائی آگئی۔مذہب کی جس مضبوط بنیاد پر اس کے چال چلن کا دارومدار تھا وہ اس درجہ برباد ہو گیا ہے کہ اس کے پھر پنپنے کی امید نہیں ہے وہ اپنے باپ داداؤں کے اعتقادات کھو بیٹھا ہے۔''(5)

عیسائی مشنری بھی اس سلسلے میں سرگرم عمل رہی مگر ان کے مذہبی تعصب اور انگریزوں کے عمومی رویے نے اکثریت کو ان کے اداروں کی طرف راغب نہ ہونے دیا۔

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.6, Issue.3 (2023)
(July-September)

''فارسی کو، جو مسلمانوں کی آمد کے بعد سے اس خطہ کی تہذیبی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی اور اہل ہند اس کی بلی اور سرکاری حیثیت پر متفق تھے، سرکاری زبان کے درجہ سے ہٹا دیا گیا، اس طرح ہند اسلامی تہذیب کی ایک اہم علامت کو ختم کر دیا گیا۔ فارسی کی جگہ اردو کو فروغ دیا گیا لیکن یہ بھی سیاسی مقاصد کے پیش نظر تھا۔ دوسری طرف جہاں ان کی زبانیں موجود تھیں جو تہذیب کی مرکزیت پر اثر انداز ہو سکتی تھیں، رائج کی گئیں۔ انگریزوں کی یہ لسانی کوششیں اس ات کی نماز ہیں کہ وہ اردو کو قومی حیثیت دیتا نہیں جانتے تھے بلکہ ایک ایسی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں ہندوستان الگ صوبوں کے لوگ ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر منتشر رہیں اور وہ بھی ایک تہذیب کے گرانی نہ ہو میں ہندی کو فروغ دینے کی کوشش میں نہ صرف اردو کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا بلکہ بندہ مسلم العلقات میں ایسی خلیج پیدا کر دی جو وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتی چلی گئی۔ یہ تو میں پھر بھی نہ ایک ہو سکیں۔''(6)

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) سے بہادر شاہ ظفر (۱۸۵۷ء) تک ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں ہندوستان کی تاریخ الم انگیز واقعات کا تسلسل معلوم ہوتی ہے جس کے اسباب میں بیرونی اثرات کے علاوہ اندرونی کمزوریوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔ بقول اقبال:

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اب دیکھتے ہیں اس عرصے میں اردو شعرا کا تہذیبی شعور کسی طور پر منعکس ہوا۔ اردو شاعری کے دو اہم مراکز دہلی اور لکھنو ہیں۔ دونوں اپنی منفرد خصوصیات کے اعتبار سے الگ الگ شناخت کیے جاتے ہیں۔ بسا اوقات یہ خصوصیات مختلف ہی نہیں متضاد معلوم ہوتی ہیں جنھیں دہلی کی داخلیت اور لکھنو کی خارجیت یا آؤ اور واہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انگریزوں نے سازش کے تحت لکھنو کو دہلی سے الگ کروایا، پھر یہ آزادی سقوط دہلی سے ایک سال قبل ہی تاریخ کے اوراق میں کھو گئی اور وہی حسرت و یاس وہی آؤ جو دلی کے شعرا کے دل سے نکلتی تھی لکھنو کے شعرا کے ہاں بھی نظر آئی۔ بہادر شاہ ظفر کو دو گزار مین بھی نہ ملی کوئے یار میں تو لکھنو کی جان واجد علی شاہ کی داستان بھی اسی غم سے عبارت تھی جس کو لکھنو کے شعرا سادگی اور سوز سے بیان کر رہے تھے۔

فصلِ گل کب آئے گی ، کب ہوں گے آکر نغمہ زن
ایک مدت ہو گئی مرغانِ گلشن کو گئے

ذرا شاہ ڈیوڑھی سے باہر کو جائیں
کریں گے اکیلے مکان سائیں سائیں

ہمیں اپنے سائے سے ہول آئیں گے
اکیلے مکانوں میں چکرائیں گے

خدا کے لئے ساتھ لے لو ہمیں
تڑپتا بلکتا نہ چھوڑو ہمیں(7)

اپنے وطن سے دور واجد علی شاہ نے گرچہ مٹیا برج میں خود کو آباد کرنے کی کوشش کی لیکن دل ہمیشہ لکھنو میں رہا۔

یہی تشویش شب و روز ہے بنگالہ میں
لکھنو پھر بھی دکھائے گا مقدر میرا

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.6, Issue.3 (2023)
(July-September)

اس درد واندوہ اور بے بسی میں حکمرانوں کی نااہلی کا بھی بہت دخل تھا جس نے عوام میں ایک احساس محرومی پیدا کر دیا تھا۔ شعرا کو بھی اور اک تھا کہ منظر عالم بہت تیزی سے بدل رہا ہے، جو کچھ ہے، مٹنے والا ہے۔ اس وجہ سے لکھنؤ ہو کہ دہلی اس دور کی شاعری میں یاسیت کی جھلک ملتی ہے۔

دم بھر یہ بزمِ عیش غنیمت ہے ساقیا
ہم بادہ خواری کرتے ہیں جام حباب میں(8)

گل کو کہا روتی ہے تو اے بلبل
یہ گلستان نہیں ہے رہنے کا(9)

سیاسی ابتری کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل اور معاشی صورتحال کی تباہی مقدر ہو چکی تھی۔ اس کے بارے میں انشاء لکھتے ہیں کہ :

کہاں تک کروں میں زمانے کا شکوہ
مصیبت ہے یوں تو سب اہل ہنر پر
خصوصاً وہ جو وضع داروں میں ہیں یاں
برستا ہی افلاس ہے ان کے در پر
لکھا رام جانے روپیا دے گیا لو
کھڑا بنیا کہتا ہے اب ان کے در پر
سلیمانی تلوار تو لے چکا
لگائی ہے اب تاک شاید سر پر

بڑا ہنہناتا ہے بن گھاس گھوڑا
ہوئے چار فاقے ہیں پیہم نفر پر(10)

بے روزگاری نے لکھنو کی چمک کو بجھا کر رکھ دیا تھا۔ اودھ سے سات آٹھ لاکھ آدمی بے چارہ اور بے روزگار ہو گئے تھے۔ کمپنی کے تسلط کے ساتھ زندگی کا انداز بدلنے لگا... فنون لطیفہ تضیع اوقات و اسراف کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔"(11) سارا جہاں ہی بدل گیا تھا۔

اجڑا موسمِ گل ہی میں آشیاں میرا
الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسمان صیاد
چمن میں رکھانہ بلبل کا نام تک باقی
خدا کرے یوں ہی ہو جائے بے نشان صیاد(12)

انگریزوں کے مظالم نے اس عظیم سرزمیں کی تہذیب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ لوگوں میں دکھ بے بسی کے ساتھ ساتھ شدید نفرت اور اشتعال پیدا کیا لیکن ظالمانہ قوانین اور اندھا دھند جان مال و آبرو کو برباد کرنے کے مل نے شعرا میں ایک منفرد اذیت کو جنم دیا۔ روائتی علامات و استعاروں میں موجودہ مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ اس طرح شاعری میں ایک ایسا تہذیبی شعور پیدا ہوا جس میں روایت کے عناصر کے ساتھ ساتھ اس کے منے کا غم اور صورتحال سے متعلق ایک پورا علامتی نظام موجود تھا۔ اس اجتماعی شعور اور مشترک درد نے موضوعات کی تبدیلی اور انسانی رویہ کی تبدیلی کے باوجود ابلاغ کا کوئی مسئلہ پیدا ہونے نہیں دیا۔

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.6, Issue.3 (2023)
(July-September)

حواشی

نظیر اکبر آبادی، ''کلیاتِ نظیر، (مقدمہ: عبدالمومن الفاروقی)، 1951ء، مکتبہ شعر وادب، لاہور، ص49

ساجد امجد، ''اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات''، 1989ء، غضنفر اکیڈمی، کراچی، ص215

جیمس مل، ''برٹش انڈیا''، بحوالہ: طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، 1938ء، نظامی پریس، بدایون، ص40

ساجد امجد، ''اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، ص218

گستاؤلی بان، /سید علی بلگرامی، تمدن ہند، 1962ء، مقبول اکیڈمی، ص558-561

ساجد امجد، ''اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات''، ص222

کشفی ابوالخیر، سید، ''اُردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر (1807ء-1857ء تک) 1975ء، ارـبی۔ پبلی کیشنز، کراچی، ص276-280

غلام حسین، ذوالفقار، ''اُردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر'' 1998ء، رنگ میل، لاہور، ص299

ایضاً، ص295

انشااللہ خان انشاء، ''کلیاتِ انشاء'' نولکشور پریس، لکھنؤ، ص59

کشفی ابوالخیر، سید، ''اُردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر (1807ء-1857ء تک) ص287

ایضاً، ص292